قطع حیات بہ جذبۂ رحم، بدھ مت اوراسلام: تقابلی مطالعہ

Sanctity of Human life, "Euthanasia", Buddhism and Islam: a Comparative Study

محمد سلیمان ناصر*

ڈاکٹر محمد عبداللہ**

Abstract

Sanctity of human life is much valued in all religions of the world as human being is the central and most precious figure in society. The society is established only for the welfare and advancement of human beings. Buddhism and Islam both emphasize on the sanctity of human life. Islam not only acknowledges human as the most honourable of all creatures but also gives him the position of caliph of the world. Islam drastically stresses on the sanctity of human life. Killing of people is prohibited in Islam weather it is in shape of killing, suicide, abortion or euthanasia .The teaching of Buddha have also given importance to sanctity of human life. According to the philosophy of non-violence (Ahimsa) in Buddhism, every living creature's life is sacred and the life of human beings is equal to that of all other living things. That is why Buddhism is even against the killing of insects. In Buddhism, "The nonviolence is one of the five precepts of Dhamma, which form the right action, right views and right thinking on Eightfold Path.This article focuses on the teaching of Buddhism and Islam, a comparative study regarding euthanasia because it is closely related to the sanctity of human life.

Keywords: euthanasia, Buddhism, Islam, comparative study.

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ عربیک گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

** پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز اینڈ عربیک گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

تعارف

انسانی تہذیب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے اس میں اولین جان کا احترام ہے تمدنی حقوق میں سے پہلا حق زندہ رہنے کو حاصل ہے۔ دنیا میں جتنی مہذب قوانین موجود ہیں ان میں انسانی جان کی حرمت کا قانون لازماً موجود ہے۔ جہاں انسانی جان کا احترام نہ ہو وہاں نہ تو افراد مل کر رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں معاملات اچھی طرح انجام پاسکتے ہیں۔ اسلام ایک الہامی مذہب ہے جبکہ بدھ مت ایک غیر الہامی مذہب ہے۔ دونوں مذاہب میں انسانی جان سے متعلق تعلیمات بیان ہوئی ہیں۔ زیر بحث موضوع میں دونوں مذاہب کی تعلیمات کا قطع حیات بہ جذبۂ رحم کے تحت تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

قطع حیات بہ جذبۂ رحم، سہل موت یا بے ایذا موت:

قطع حیات بہ جذبۂ رحم سے مراد وہ تمام صورتیں ہیں جس میں ڈاکٹروں کو مریضوں کی جان لینے کے لئے کوئی انجکشن، یا ایسی دوا استعمال کرانا پڑتی ہے، جس سے مریض کی سانس بند ہو جائے۔ اگر کوئی شخص کسی لاعلاج اور مہلک بیماری میں اس حد تک مبتلا ہو کہ اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے سے بھی قاصر ہو اور تکلیف انتہا درجے کی ہو کہ مریض کی وجہ اس کے لواحقین اور احباب بھی شدید اذیت میں مبتلا رہتے ہوں، اور بعض کی تکلیف کی شدت کم کرنے کے لیے آلات کے ذریعہ مستقل طور پر بے ہوش رکھا جاتا ہو۔ اس کے بغیر مریض کا زندہ رہنا مشکل ہو یا تکلیف میں اضافہ کا سبب ہو ایسی حالت میں مریض یا اس کے لواحقین مریض کو بھی ناقابل برداشت تکلیف سے نجات دلانے کے لیے مریض کو مناسب تدبیر سے موت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ عمل جدید علم طب میں قطع حیات بہ جذبۂ رحم کہلاتا ہے۔ جس کے لیے (Mercy Killing) کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اور یہ عمل لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریضوں کی ساتھ انتہائی ہمدردی کے لئے کیا جاتا ہے۔

قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی قسمیں:

قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی عام طور سے دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

أ. ارادی

ب. غیر ارادی

الف) ارادی: ارادی قطع حیات بہ جذبۂ رحم کا مطلب یہ ہے کہ مریض مہلک بیماری جیسے کینسر یا دماغی بخار یا پھر طویل بے ہوشی میں مبتلا ہو جائے اور ڈاکٹروں نے اس کو لاعلاج قرار دے دیا ہو تو اس کی زندگی ختم کرنے

کے لئے ایسی ادویات زیادہ مقدار میں دی جاتی ہیں تاکہ اس کی سانس رک جائے، یا پھر مصنوعی آلات تنفس اس سے ہٹالیے جاتے ہیں تاکہ اسے آسانی سے موت آجائے۔

ب) غیر ارادی: غیر ارادی قطع حیات بہ جذبۂ رحم میں مریض کو مارنے کی کوئی ترکیب نہیں کی جاتی ہے بلکہ اسے زندہ رکھنے کے لیے جو ادویہ یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں اسے روک دیا جاتا ہے تاکہ موت جلدی آجائے۔ گویا کہ قطع حیات بہ جذبۂ رحم کی دو صورتیں ہوئیں۔ ایک عملی اور دوسرا غیر عملی۔ پہلی صورت میں مریض تکلیف سے چھٹکارا پانے کے لیے خود موت کی تمنا کرتا ہے اور علاج روکنے کا مطالبہ یا علاج سے انکار کرتا ہے اور غیر عملی صورت میں فرد کو موت کی تمنا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے لواحقین اسے تکلیف سے نجات دلانے کے رحم کے جذبے کے تحت اسے سہل موت کی طرف لے جاتے ہیں گویا کہ اس میں مریض کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔

اس کی تیسری صورت، لاعلاج بیماری میں تکلیف میں اضافے کی صورت حال ہے جیسے مریض پیدائشی یا وقتی طور پر کسی جان لیوا، مہلک اور تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہے جو ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق لاعلاج ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی دوسری بیماری میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس نئی بیماری کا علاج کرایا جائے گا یا نہیں، اور اس نئی بیماری کے علاج سے شفایابی کے باوجود اس کی صحت پر کوئی خاص اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

قطع حیات بہ جذبۂ رحم، بدھ مت میں:

` اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ بدھ مت میں صراحتاً قطع حیات بہ جذبہ رحم کے بارے میں کوئی حکم موجود نہیں ہے ۔ تاہم اکثر اس کے خلاف اس لیے ہیں کہ یہ عمل ان کے پہلے اصول، "کسی جاندار کو قتل نہ کرو" *Panatipata veramani sikkhapadam samadiyami* "[1] اور یہ اہنسا کے اصول کے خلاف ہے جو بدھ مت کے پیروکاروں کو عدم تشدد جانداروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے۔[2]

ایسی صورت میں وہ مریض اور اس کی مدد کرنے والا دونوں قتل کے مرتکب ہوں گے کیونکہ بدھ مت میں کسی ذی روح کو تکلیف پہنچانا بالکل منع ہے۔ بیماری کے مہلک ہونے کے باوجود صحت کی علامت تو ہے، اور اہنسا کے فلسفے کے مطابق انسان کا قتل تو دور کی بات کیڑے مکوڑوں کو مارنے کی بھی ممانعت کرتا ہے، اور کرما (Cycle of Samsara) یعنی دوبارہ جنم لینے کے عقیدہ کے مطابق یہ ممکن ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک دن انسان یا حیوان کی شکل میں دوبارہ، جنم لیں گے۔[3] یعنی حیوان اور انسان آپس میں برابر ہیں چنانچہ ان

میں سے کسی کو نقصان پہنچانا یا اس کا قتل کرنا گناہ کا کام ہے اور بدھ مت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

کنجٹسونا کا گا کی کے مطابق،

"The Buddhist concept of Ahimsa is the essential practice of non-violence, literally meaning not killing or not injuring anyone or any living thing, and having respect for life."[4]

گوتم بدھ کے قول کے مطابق

"جو بِھکشو عمداً کسی جاندار کو اس کی زندگی سے محروم کرے گا تو وہ اس حکم کے تحت ناقابل معافی جرم کا مرتکب ہوا ہے اور اس کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں"[5]

بدھ مت کی تعلیم کے مطابق بِھکشو پر برسات کے تین مہینوں میں گوشہ عزلت سے باہر نکلنے پر اس لیے پابندی عائد کرتا ہے تاکہ زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑے کچلے نہ جائیں۔[6]

انسانی جان کی حرمت کے پیشِ نظر کسی بِھکشو کے لئے میدان جنگ میں تماشائی کی حیثیت سے بھی جانا جائز نہیں۔ چنانچہ پکِتیہَ دھما، کی اڑتالیسویں دفعہ کے مطابق، "جو بِھکشو بغیر کسی معقول وجہ کے کسی ایسی فوج کو دیکھنے جائے جو جنگ کے لئے صف بستہ ہو تو وہ پکِتیہَ جرم کا مرتکب ہو گا۔" اور دفعات 49-50 کے الفاظ یہ ہیں کہ: "اگر اس بِھکشو کے فوج کی طرف جانے کی کوئی معقول وجہ ہو تو وہ صرف دو یا تین راتوں تک وہاں ٹھہر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنا پکِتیہَ ہے" اور "اگر وہ وہاں دو یا تین رات سے دورانِ قیام میں میدان جنگ کی صف آرائی یا افواج کی سپہ شماری یا قوائے حرب کی صف بندی یا معائنہ کے موقع پر جائے تو یہ بھی پکِتیہَ جرم ہے۔"[7]

اس سے معلوم ہوا کہ بدھ مت میں بھی ارادتاً اپنی زندگی ختم کرنے کی اجازت نہیں ہے اور ان کے عقیدے "کرما" کے مطابق انسان جان بدل بدل کر پیدا ہوتا ہے تو موت کے باوجود مقتول انہی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہو گا جن پر مرا ہے گویا کہ اس سے مصیبتیں اور تکالیف کم نہیں ہوں گی بلکہ اسی طرح رہیں گی جس طرح پچھلے جنم میں تھیں یا صورت حال اس سے ابتر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ اس کے پچھلے جنم سے زیادہ خراب ہے تو اس نے رضاکارانہ طور پر جو فیصلہ کیا ہے وہ اس کے لیے مفید اس لیے ثابت نہیں ہوا کہ اس کا اگلا جنم بھی اسی طرح کی تکالیف سے پُر ہو گا اور شاید اس کی موجودہ تکلیف اُس سے کم ہو سکتی ہے۔ یا اس طرح کرنے والا عقیدہ کرما کے قانون کو توڑنے والا ہو گا جس سے کرم کے قانون کا توازن خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح رضاکارانہ موت خودکشی کے مترادف ہے جسکی بدھ مت میں اجازت نہیں ہے البتہ جس طرح بھکشو کو خودکشی کی اجازت ہے۔ اسی طرح اسے سہل موت کی بھی اجازت ہے۔ کیونکہ بھکشو نروان حاصل کرنے کے بعد کرم

کے چکر سے نجات پالیتا ہے۔

جس طرح کہ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن میں میرن لین ہیرن نے لکھا ہے،

"Only *Arhats* (those who have attained enlightenment) are allowed in specific exceptional circumstances to take their own lives.[8]

"وہ بھگشو جو نروان حاصل کر چکا ہے وہ خودکشی کر سکتا ہے لیکن یہ استثنائی صورت حال ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ بدھ مت کے پیروکار بے ایذاء موت کے قائل اس لیے نہیں ہیں کہ یہ "کرما" کے خلاف اور نروان کے حصول میں بھی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا یہ اس قسم کی موت کے طلب گار اور اس میں مدد کرنے والے دونوں کے حق میں منفی نتائج کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے اور اگلی جنم میں بھی اسے اسی طرح کی تکالیف کا سامنا ہو سکتا ہے جن سے وہ اب گلوخلاصی چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اس طرح کی مصیبت سے فرار کرنے کی بجائے اسے برداشت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

جبکہ بدھوں میں سے بعض اس طرح کی موت کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے ان کے خیال میں کارونا(Karona) یعنی رحم کے تحت مریض کو بے ایذاء موت دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ایک قریب المرگ شخص کو تکلیف میں مبتلا کرنے کی بجائے سہولت کی موت دینا زیادہ بہتر ہے چنانچہ ان کے روحانی پیشوا دلائی لامہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،

"In the extant a person is definitely going to die and virtually become a vegetable and prolonging his existence is only going to cause difficulties and suffering for others, the termination of his life may be permitted according to Buddhist ethics."[9]

قطع حیات بہ جذبۂ رحم اسلام میں:

الف) ہر چیز کا مالک حقیقی خدا کی ذات ہے اور اسی نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے۔ حقیقی مالک ہونے کے ناطے اسے ہی جینے اور مارنے کا حق حاصل ہے اس لیے اسلام میں اس قسم کی موت متعدد وجوہ سے ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہرگز کسی ایسے عمل کی جو کسی موت کا سبب ہو نہ صرف یہ کہ اجازت نہیں دیتا بلکہ ایسا کرنے والے کی شدید مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"اَلآدمِیُ بُنیانُ الرَّبِ مَلعونٌ مَن هَدَمَ بنیانَ الربِ"[10]

"انسان اللہ کے ہاتھ کی تعمیر شدہ عمارت ہے اور اللہ کی عمارت گرانے اور ڈھانے والا ملعون ہے"

یعنی خالق کی خلقت میں تصرف کرنا لعنت کا باعث ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

ب) بندے پر اللہ کا حق ہے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حَقُّ اللهِ عَلىَ العِبادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلا يُشرِكُوْا بِه شَيئًا"[11] مریض حالت مرض میں اللہ کے حق (عبادت) کو کسی نہ کسی حیثیت میں تو ادا کر رہا ہے، اب وقت مقررہ سے پہلے عملی طور پر اس کو مارنا دینا اللہ کے حق کی حق تلفی کے مترادف ہو گا۔ جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور ایسا کرنے والا، ایسا حکم دینے والا یا آمادہ کرنے والا اس گناہ عظیم میں شریک ہو گا اور قاتل کہلائے گا۔

دُنیا چونکہ دارالابتلاء ہے اس لیے یہاں تندرستی کے ساتھ ساتھ مرض کو وجود بخشا گیا ہے اور ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج کے لیے بھی راہنمائی فرما دی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً الا اَنْزَلَ لَه شِفَاءً "[12]

"اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا بھی نازل نہ کی ہو۔"

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے مریضوں کو علاج کرانے کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا:

"مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً"[13]

"اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اتاری اس کی دوا بھی (ضرور) اتاری۔"

البتہ دواء میں تاثیر اللہ کی جانب سے ہو گی اگر اللہ کا مشیت ہوتی تو مریض صحت یاب ہو جائے گا ورنہ نہیں چنانچہ سیدنا جابرؓ نبی ﷺ سے ایسی ہی ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"لِكُلِّ داءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَاءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى"[14]

"ہر بیماری کی دوا ہے، جب وہ دوا بیماری پر پہنچتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفاء ہو جاتی ہے۔"

لیکن موت اور بیماریاں ایسی لا علاج بیماریاں ہیں۔ جو کسی بھی وقت آ سکتی ہیں ان سے بچنے کی جتنی احتیاطی تدابیر کیوں نہ اختیار کر لی جائیں انہیں روکنا ممکن نہیں۔

اب ایک طرف تو مریض اور اس کے لواحقین کی تکلیف میں شدت کا پہلو ہے جو مریض کے لیے موت کا متقاضی ہے جبکہ دوسری طرف اس میں قتل کے جوازِ کے اسباب میں سے کوئی ایسا سبب نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سے اس کی موت کو جائز قرار دیا جائے۔ اس تعارض کی صورت میں حدیث کی جانب کو ترجیح دیتے ہوئے ایسے مریض کی موت کے عدم جواز کی جانب کو راجح قرار دیا جائے گا۔

البتہ مریض کا سخت تکلیف میں مبتلا رہنا بھی اس کے لیے فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ اس سے اللہ پاک مریض کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْ مُصِيْبَةٍ تُصِيْبُ الْمُسْلِمَ اِلاَّ كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ حَتّٰى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا بِهَا"[15]

"مسلمانوں کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے"

اگر مومن بیماری کے اجر و ثواب کے فائدے کا علم ہو جائے جو اسے پہنچنے والا ہے تو وہ ہمیشہ بیماری میں مبتلا رہنے کو ترجیح دے گا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يَوَدُّ اهل العافية يوم القيامة حين يُعْطٰى اهلُ البلاء الثوابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فى الدنيا بالمقاريض"[16]

"جو لوگ عافیت میں ہیں، قیامت کے دن جب مصیبت زدوں کے ثواب کو دیکھیں گے، تو یہ چاہیں گے کاش! دنیا میں قینچیوں سے ان کی کھالوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے"

ایک اور حدیث میں اسی طرح کے مضمون کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا اِلاَّ كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ كما تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا"[17]

"جس مسلمان کو کانٹا چبھنے کی یا اس سے بڑی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی غلطیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے"

اسی طرح بیماری گناہوں کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔ اب بیماری کی وجہ سے کسی جان لینا اس کی مغفرت و درجات کی بلندی کے راستے کو مدود کرنے کے مترادف ہے جو جائز نہیں۔

بیماری کی تکلیف کو برداشت کرنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور نیک بندوں کو مشکلات، بیماریوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے ان کے صبر کا امتحان لیا ہے، مگر وہ ہر حال میں صبر کرتے رہے جس کے صلے میں اللہ نے ان کے مرتبہ کو بلند فرمایا۔ حضرت ایوب علیہ السلام طویل عرصہ اتنے بیمار ہوئے کہ بیوی کے علاوہ رشتہ دار بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ لیکن آپ نے صبر سے کام لیا اور اس صبر کے انعام میں اللہ نے ان کے درجات بلند کیے۔ جس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ـفَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ[18]

"اور یاد کرو جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ ہم نے اس کی پکار

سنی اور اسے جو تکلیف تھی وہ دُور کر دی۔ ہم نے اسے اس کے اہل و عیال دیئے اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیئے۔ یہ رحمت ہے ہماری طرف سے اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے"

شریعت میں دُنیاوی، مصیبت، تنگدستی کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"لاَ يَتَمَنَّيَنَّ اَحدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصابَه فَاِنْ كَانَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً فَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ اَحْسِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِیْ"[19]

"تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کو پہنچے تو موت کی تمنا نہ کرے، اگر کسی وجہ سے بالکل ضروری ہو جائے تو اس طرح کہے اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندہ رہنا میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے حق میں بہتر ہے تو موت دے دے"

اب تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس نے کب تک زندہ رہنا ہے اور اسے موت کب آئے گی۔ اگر وہ نیک ہے اس کی نیکیوں میں اضافہ کی توقع ہے اور اگر بُرا ہے تو اس سے تائب ہونے کی اُمید ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"وَلاَ يَتَمَنَّنَ اَحَدُكُمُ الْمَوْت اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ اَن يَزْدَادَ خَيْرًا وَاِمَّا مُسِيْئاً فَلَعَلَّهُ اَنْ يَسْتَعْتِبَ"[20]

"اور تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ یا وہ نیک ہو گا تو امید ہے کہ اس کے اعمال میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ ہی کرے۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کو وجود بخش کر اس کی حفاظت اور تندرست رکھنے کی تدبیر بھی بیان کی۔ ان تدبیروں سے فائدہ نہ اُٹھانے والا خود کو ہی ہلاک کرنے والا شمار کیا جائے گا جس سے اسلام نے نہ صرف سختی سے منع کیا ہے بلکہ اس کے لئے سزائیں مقرر کیں ہیں۔ کیونکہ انسان کی جان قابل احترام ہے۔ اس سے اس بات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ جس اسلام نے ہلکی پھلکی تکلیف پر علاج کو ضروری قرار دے کر موت کی تمنا کرنے کی ممانعت کر دی ہے تو قطع حیات بہ جذبہ رُحم پر عمل کرنے کی اسلام کیسے اجازت دے سکتا ہے۔

شریعت کے اس اصول کی بناء پر لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریض نہ تو موت کی تمنا کر سکتا ہے اور نہ ہی مریض کے رشتہ داروں اور ڈاکٹروں کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں اس کی صحت کا احتمال موجود ہے۔ جن کی متعدد امثلہ پائی جاتی ہیں۔ ایسا کرنے والا کوئی بھی شخص قتلِ نفس کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ الاَّ بِالْحَقِّ"[21]

"اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو"

قتلِ حق کی تین صورتیں ہیں۔ جن کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا یحل دم امریٔ مسلم یشھد أن لا اله الا اللّٰه وأنی رسول اللّٰه الا باحدی ثلث: النفس بالنفس، والثیب الزانی، والمارق لدینه، التارک للجماعة" [22]

"کسی مسلمان کی جان لینا جو اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہو درست نہیں، الا یہ کہ وہ قاتل ہو، یا شادی شدہ زانی ہو، یا دین سے نکل جانے والا اور جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو"

اور اگر مریض خود ایسا کام کرے تو خودکشی کے مترادف ہو گا۔ تمام فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے:

"یکرہ تمنی الموت لغضب، أو ضیق عیش، وفی صحیح مسلم: لا یتمنین أحدکم الموت لضرّ نزل به" [23]

"غصہ یا تنگدستی کے باعث موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا کسی تکلیف کی وجہ سے ہرگز نہ کرے۔"

علامہ نووی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"استعجالا للموت أو لغیر مصلحة، فانه لو کان علی طریق المداواة التي یغلب الظن علی نفعها، لم یکن حراما" [24]

"یعنی کوئی ایسا عمل جس کا مقصد موت کو جلدی بلانا ہو، یا اس میں کوئی مصلحت نہ ہو (درست نہیں) ہاں اگر بطریق علاج معالجہ جس میں غالب امید نفع کی ہو تو حرام نہیں ہو گا۔"

اس طرح، " وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ" اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔"[25] کے تحت نفس و جان کی حفاظت ایک امر مامور بہ ہے جس کی حفاظت کے لئے دستیاب وسائل کا اپنی وسعت کے مطابق فراہم کرنا ہر انسان پر لازم ہے۔ اس لئے شرعاً وسعت کے ہوتے ہوئے علاج ترک کر کے موت کو دعوت دینا جائز نہیں۔ ہاں! شفاء کے اسباب سے مایوس ہو کر یا وسائل کے فقدان کی وجہ سے علاج کا ترک کرنا جائز ہو سکتا ہے، یا پھر "انما الاعمال بالنیات"[26] کی بنیاد رضا بالقضاء کے طور پر ترک معالجہ کی اجازت ہو سکتی ہے۔ لیکن کسی مریض کو اس کی شدید تکلیف سے نجات دلانے کے لئے عمداً مریض کو موت تک پہنچانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا ہے۔

لاعلاج مریضوں کا علاج ترک کرنا جائز ہے یا ناجائز تو ایسے مریضوں کے لئے دواء کے عدم استعمال کی گنجائش ہے جس سے اس کے لواحقین گنہگار نہیں ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"پس اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے یا آشوب چشم کا شکار ہو جائے، اور علاج نہ کرائے یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار نہیں ہو گا، ایسے ہی "ملتقط" میں ہے، اور اگر کسی آدمی کو دست آنے لگے یا آنکھ آجائے پس اس نے علاج نہیں کرایا، یہاں تک کہ وہ کمزور ہو کر مر گیا تو اس پر گناہ نہیں۔"[27]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"علاج معالجہ اگرچہ حلال دواؤں کے ذریعہ ہو، اگر چھوڑ دیا اور مر گیا تو گنہگار نہیں ہو گا، جیسا کہ لوگوں نے اس کی تصریح کی ہے، اس لئے کہ دواؤں سے شفا (یقینی نہیں) بلکہ ظنی ہے۔"[28]

گویا دواؤں سے بیماری کی شفا یقینی نہیں بلکہ ظنی اور وہمی ہے۔ دوا اور علاج معالجہ اسباب کے درجہ میں ہیں۔ لہٰذا اللہ پر بھروسہ رکھ کر علاج چھوڑ دے تو جائز ہے۔ لیکن اس عدم علاج و معالجہ کو یہ نہ سمجھے کہ وہ اس سے جلدی مر جائے گا، جلدی موت آجائے گی کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے، علاج کرے یا نہیں۔

"الاشتغال بالتداوی، لا بأس به اذا اعتقد أن الشافی هو الله تعالیٰ، وأنه جعل الدواء سببا، أما ای أعتقد أن الشافی هو الدواء فلا، کذا فی السراجیة" [29]

"دوا علاج کرانے میں کوئی حرج نہیں، اگر اعتقاد یہ ہو کہ شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی نے دوا کو شفا کا ذریعہ بنایا ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوا ہی کو شفا دینے والا مانے تو پھر یہ صحیح نہیں ہو گا، ایسا ہی سراجیہ میں ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ ماہر طبیبوں کی رائے کے مطابق اگر مریض لاعلاج ہو اور زندہ رہنے کی کوئی امید نہ ہو تو علاج کو چھوڑ دے۔

"وان قیل: لا ینجو أصلا لا یتداوی بل یترک، کذا فی الظهیرية"[30]

گویا ترک علاج اصلاً حرام نہیں ہے، البتہ نیت "اہلاک" سے ترک علاج (انما الاعمال بالنیات) کے قاعدہ سے معصیت بن جائے گا، مگر حقیقی اہلاک سے کم درجہ کی معصیت۔

شامی میں ہے:

"بخلاف من امتنع عن التداوي حتی مات (یعنی لایکون عاصیًا"[31]

"بخلاف اس شخص کے جو دوا علاج سے باز رہا، یہاں تک کہ مر گیا (یعنی وہ گنہگار نہیں ہو گا)"

کیونکہ حقیقت میں تمام ذی روح کے لیے موت و حیات کا ایک دن متعین ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ الی حِيْنٍ"[32]

"اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے"

دوسری جگہ قرآن نے یوں تصریح کی ہے:

"فَاذا جَآءَ أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ"[33]

"توجب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے"

قرآن سے ثابت ہے کہ انسان کو اس دنیا میں ایک معینہ مدت تک رہنا ہے، اور جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو بلا کسی تقدیم و تاخیر کے اسے اس دنیا سے جانا ہو گا، پھر کوئی طاقت اسے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتی۔ البتہ مریض کی تیمار داری اور خبر گیری ان کے لواحقین کی صرف اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں ان کو بھی جن مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ آپؐ کے اس فرمان "ما من مصيبة تصيب المسلم إلا كفر الله بها عنه ،حتى الشوكة يشاكها "[34] کے تحت ان کے حق میں بھی موجب اجر و ثواب ہیں۔ اس لیے ایسا کوئی بھی عمل اور ایجابی تدبیر جس کے نتیجہ میں مریض کی موت جلد واقع ہو جائے جائز نہیں۔ کیونکہ انسان جس چیز کو ناپسند کرتا ہے ممکن ہے کہ اس کے لیے عافیت اسی میں ہو جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُم [35]

"یعنی بسا اوقات تم کچھ چیزوں کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہیں، اور بہت سی چیزوں کو تم پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے بری ہوتی ہیں"

اللہ پاک نے جب بیماری پیدا کی ہے تو اس کے علاج کی صورتیں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ ہر مرض کا علاج موجود ہے۔ صحیح تشخیص کی تلاش کی ضرورت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الله اَنزلَ الدَاءَ والدَواءَ، جَعلَ لِكُلِ داءٍ دواءً فَتَدَاوَوْا، ولاتَدَاوَوْا بِحرامٍ"[36]

یعنی یہ گمان رکھنا کہ فلاں کا علاج ممکن نہیں، یہ خیال فاسد ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء و محدثین نے علاج کرانے کو اس لیے مستحب قرار دیا کہ خود آپ ﷺ نے علاج بھی کرایا ہے۔

اسامہ بن شریک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا "یا رسولَ اللہ! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قال نَعَمْ، ياعَبدَاللهِ تَداوَوا، فإن الله لَمْ يَضعْ داءً اِلاّ وَضعَ له شِفاءً، غَيرَ داءٍ واحدٍ، الْهَرَمِ"[37]

"اللہ کے بندو! علاج کرواؤ۔ اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کے لیے شفاء نہ ہو سوائے بڑھاپے کے"

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اسباب کے تحت علاج کرانا بھی ضروری ہے۔ اسباب کی تین قسمیں ہیں: یقینی، ظنی، وہمی۔ مرض ایسا ہو کہ ترک علاج کی وجہ سے مریض کا ہلاک ہونا یقینی ہو، تو پیسے یا لواحقین کی پریشانی کی وجہ سے علاج کو ترک کرنا جائز نہیں ہو گا۔

"اِن الاَسْبابَ المزِیلۃَ لِلضَرَرِ تنَقَسمُ الی مقطوعٍ بہ کالماءِ المزیلِ لِضَررالعطشِ والخُبزِ المزیلِ لضرر الجُوعِ الخ اَما المقطوعُ بِہ فَلَیسَ تَرْکُہ مِنَ التَوَکُّلِ بَلْ تَرْکُہ حَرامٌ عِندَ خَوفِ الموتِ"[38]

گو علاج کرانا واجب نہیں لیکن مریض کو بلا علاج کے اس طرح چھوڑ دینا کہ وہ موت کے منہ میں چلا جائے، یہ جائز نہیں۔ اور اللہ کی مشیت، رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہو گا۔ اسلامی تعلیمات میں ہمدردی، غمگساری، اخوت و الفت کا درس دیا گیا ہے، اس کے خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے علاج کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔

خلاصۃ البحث:

بدھ مت تعلیمات اس حوالے سے تصریح نہ ہونے کی وجہ سے مختلف آراء پائی جاتیں ہیں:

ان میں سے بعض اسے "کرما" اور اہنسا کے اصولوں کے نہ صرف خلاف سمجھتے ہیں بلکہ نروان کے حصول میں اسے رکاوٹ سمجھتے ہیں نیز ان کے ہاں چونکہ ایسے شخص کو جس وجہ سے مارا گیا ہے اگلے جنم میں اسے پھر سے ان تکالیف کا سامنا کرنے کا احتمال ہے۔ اس لیے اس سے راہِ فرار اختیار کرنے کی بجائے اس کو برداشت کرنا بہتر ہے۔ جبکہ بعض اسے کارونا یعنی رحم کے اصول کے مطابق مریض کی تکلیف کم کرنے اور رحمدلانہ فعل ہونے کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں چونکہ انسان کی حیثیت قائمقام کی ہے اس کے تمام اختیارات عارضی ہیں جس کی وجہ سے انسان کا کوئی ایسا تصرف جو اس کی اپنی ذات یا دوسرے کے لیے نقصان یا تکلیف کا باعث ہو ممنوع ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسا مریض جس کی زندگی کی اُمید نہ ہو یا تکلیف کی شدت ہو کو ختم کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ استعمال کرنا قتل کے مترادف ہو گا اور ڈاکٹرز، ورثاء قاتل تصور کیے جائیں گے۔

حواشی

---

[1] . Vinaya" texts ,vol.1,p-211

[2] . Robert S. Ellwood & Gregory.D.Alles,"Encyclopedia of World Religions",Facts On File,Inc,New York,1998,P-10

[3] . ibid,P-406

[4] . Kenjitsu Nakagaki,T."Practice of Ahisma in Buddhism",2006,P.51-61.www.researchgate.net

[5] .Vinaya" texts ,vol.1,p-46

[6] - ibid,p-293-301

[7] - Vinaya" texts ,vol.1,p_43

[8] - *In* M. Eliade (ed.)," *Suicide: Buddhism and Confucianism".* The Encyclopedia of Religion, vol. 14. MacMillan Publishing Company, New York. 1987

[9] . Katharine Porter, "Buddhist Perspective of Contemporary religious and moral Issues." Farmington Trust, Bolton School Girls Division, 2009, p-7

[10]- رازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تمیمی شافعی، "مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، ج-20، 19 بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1421ھ، ص-200

[11]- تفسیر کبیر، ج-20، ص-200

[12]- بخاری، الصحیح، رقم: 5678

[13]- سنن ابن ماجہ: 3439

[14]- مسلم، الصحیح، رقم: 1467

[15]- التبریزی، ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری، الشیخ الامام، مشکوٰۃ شریف، ج-1، ادارہ مکتبہ البشریٰ، کراچی، 1431ھ/1997ء-ص-134

[16]- جامع ترمذی، رقم: 2495

[17]- مشکوٰۃ المصابیح، ج-1، ص-134

[18]- القرآن، 21:83-84

[19]- بخاری، الصحیح، رقم: 5671، سنن ابوداؤد، رقم: 3081، سنن نسائی، رقم: 1822

[20]- بخاری، الصحیح، رقم: 5673

[21]- القرآن، 6:151

[22]- صحیح مسلم، رقم: 1023، صحیح بخاری، رقم: 6878

[23]- فتاویٰ شامی- ج-5، ص-270

[24]- نووی، ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری، "شرح النووي علی صحیح مسلم"، ج-1 بیروت، لبنان: دار احیاء التراث، 1392ھ، ص-73

[25]- القرآن، 2:195

[26]- بخاری، الصحیح، رقم: 1

[27]۔ شیخ نظام، علامہ، الھمام، (وجماعۃ من علماء ھند)، الفتاویٰ عالمگیریہ المعروف بالفتاویٰ الھندیہ، ج۔6، 1983ء، المکتبہ الرشیدیہ برکی روڈ، کوئٹہ، ص۔236

[28]۔ فتاوٰی شامی، ج۔5، ص۔343

[29]۔ الفتاویٰ عالمگیریہ، ج۔6، ص۔236

[30]۔ ایضاً، ج۔6، ص۔239

[31]۔ فتاوٰی شامی، ج۔5، ص۔512

[32]۔ القرآن، 36:2

[33]۔ القرآن، 34:7

[34]۔ بخاری شریف: رقم: 5640

[35]۔ القرآن، 216:2

[36]۔ الطیبی، شرف الدین، الحسین عبداللہ بن محمد، "شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح المسمی بالکشاف عن السنن" ج۔9، ت، عبد الحمید ھنداوی، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ المکرمۃ، الریاض، 1417ھ / 1997ء، ص۔2963

[37]۔ شرح الطیبی، ج۔9، ص۔2962

[38]۔ کاندھلوی، محمد زکریا" أوجز المسالک إلی موطأ مالک" ج۔2، ت، تقی الدین الندوی، دار القلم للنشر، الکویت، 1424ھ / 2003ء، ص۔311